ہادم اللذّات

کمزور حافظہ کی ایک تاریخی مثال

مولانا سیّد مناظر احسن گیلانیؒ

خلاصہ یہ ہے کہ سب کچھ یاد رکھتے ہوئے' زیاد نے خدا ہی کو بھلا دینا چاہا' اور اس کو بھلا دیا تھا۔ ایسی صورت میں کیوں تعجب کیجیے' اگر اس کے حافظہ سے اپنی ماں سمیّہ' اپنے باپ عبید' اور اپنے سب سے بڑے محسن و ولیٔ نعمت سیّدنا علیؓ کی یاد نکل گئی' آخر

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ (الحشر ۵۹ : ۱۹)

انہوں نے بھلا دیا اللہ کو' بس اللہ نے بھی فراموش کرا دیا' ان کو خود اپنے آپ سے۔

یہ تو قرآن ہی کا قدرتی قانون ہے۔ خدا کو بھول جانے کے بعد زیاد درحقیقت خود اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اس لیے نہ ماں ہی اس کو اپنی یاد رہی اور نہ باپ' اور نہ ان بزرگوں کو وہ یاد رکھ سکا جن کی تربیت و تعلیم نے باندی کے اس بچے کو ایران و خراسان کی گورنری کے لائق بنا دیا تھا۔

اپنے آپ کو فراموش کیے ہوئے اس انسان میں برسرِحکومت آنے کے بعد شاید یہ وہم پیدا ہوا کہ "گورنر" ہونے کے سوا نہ پہلے وہ "اور کچھ" تھا اور نہ آئندہ اسے "اور کچھ" ہونا ہے۔ گورنری کو اسی لیے شاید وہ اپنا پیدائشی حق یقین کرنے لگا۔ اسی لیے زمین کا وہ طویل و عریض علاقہ جو کمشنری ایران کے مقبوضہ سے بھی بڑا اور کافی بڑا تھا' ان خطوں کی حکومت بھی اس کو ناکافی نظر آنے لگی۔ آگے قدم بڑھانے کے لیے حجاز اور عرب کی عام حکومت کی درخواست اس نے پیش کر دی۔ اور مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے "اجتماعِ عام" کا حکم کوفہ والوں کو اس لیے دیا کہ حضرت علیؓ سے تبرّا کا اقرار ان سے لے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب سب کچھ وہ اپنے آپ ہی کو تصور کر رہا تھا' اور جس نے پیدا کرکے اس قابل اس کو بنایا تھا' اس کی ذمہ داریوں سے اپنی

آنکھیں میچے ہوئے تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ بندر لاکھ اپنی آنکھیں بند کر لے' پھن کھولے ہوئے سانپ کا وجود تو اس کی آنکھیں بند کرنے سے معدوم نہیں ہو سکتا۔ جس خدا سے زیاد نے اپنے آپ کو غافل بنا لیا تھا' وہ اچانک اس کے سامنے آ گیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حجاز کے شہروں' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی کہ زیاد نے وہاں کی حکومت کی خواہش امیر معاویہؓ سے کی ہے' تو لوگوں میں کافی بے چینی اور سراسیمگی پھیل گئی۔ عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو جمع کیا۔ خود دعا کرتے جاتے تھے کہ اے پروردگار' زیاد کی مصیبت میں ہم لوگوں کو مت مبتلا فرما' اور دوسرے آمین کہتے تھے۔ (کامل ابنِ اثیر' ص ۱۱۱' ج ۴)

مدینہ منورہ میں تو یہ ہو رہا تھا۔ ادھر کوفہ میں' جہاں اجتماعِ عام کا حکم زیاد نے دیا تھا' کوفہ کا ہر قابلِ ذکر آدمی زیاد کی ڈیوڑھی کے سامنے انتہائی حیرانی اور پریشانی کے ساتھ کھڑا تھا۔ دارالامارہ سے لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے زیاد ابھی باہر نہیں نکلا تھا۔ ایک صاحب' جن کا نام عبدالرحمٰن بن سائب تھا اور اسی مجمع میں وہ بھی شریک تھے' کہتے ہیں کہ اچانک مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ بیٹھے بیٹھے غنودگی کے اسی حال میں کیا دیکھتا ہوں کہ

> بڑی لمبی چوڑی گردن اونٹ کی گردن کے مانند میرے سامنے نمایاں ہوئی' جس کے ہونٹ لٹکے ہوں اور پپوٹے بھی جس کے پھولے پھولے ہوں۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ جواب میں میں نے سنا' وہ لمبی گردن بول رہی ہے:

> میں چن لینے والے کا باپ' گردن والا ہوں۔ اسی قصر (دارالامارہ) والے کے لیے اٹھایا گیا ہوں۔

اسی کے بعد غنودگی کی کیفیت کا ازالہ ہو گیا۔ اردگرد ان کے جو لوگ تھے' ان سے عبدالرحمٰن پوچھنے لگے' آپ لوگوں نے بھی کچھ دیکھا۔ بولے' نہیں ہمیں تو کچھ نظر نہ آیا۔ تب میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کا حال ان لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ بیان کر ہی رہا تھا کہ اچانک قصر سے ایک شخص برآمد ہوا اور اعلان کیا:

> امیر (یعنی زیاد) کا حکم ہے کہ آپ لوگ چلے جائیں' کیوں کہ میرے ساتھ ایک قصہ

پیش آگیا ہے۔

آلام و مصائب کا سیاہ بادل تھا جو چھانے کے بعد اچانک اس اعلان کے ساتھ ہی چھٹ گیا' لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگے۔ ابھی مجمع رخصت بھی نہیں ہوا تھا کہ گورنر ہاؤس سے یہ خبر مجمع تک پہنچی کہ زیاد پر طاعون یا فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔

زیاد اب صاحبِ فراش تھا۔ تکلیف سخت اور بہت سخت تھی۔ کہتے ہیں کہ جس مقام پر طاعون کی گلٹی یا پھوڑا نمایاں ہوا تھا' زیاد بار بار چاہتا تھا کہ بدن کے اس حصہ کو کٹوا دے۔ آپریشن کرنے والے اس حکم کے مطابق چیرپھاڑ کے آلات اور کاٹنے کے بعد داغنے کے سامان کو لے کر آ بھی گئے۔ لیکن ان لوگوں کی خاص شکل و صورت اور انکے مہیب آلات کو دیکھ کر زیاد پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ ان کو اس نے واپس کر دیا۔ پلنگ پر تلملا تلملا کر کروٹیں بدلتا تھا اور کہتا "میں اور طاعون کا یہ پھوڑا' دونوں ایک لحاف کے اندر رات کیسے بسر کر سکیں گے۔"

کراہ کراہ کر ساری رات گزاری۔ صبح جس وقت ہوئی' تو حالات اتنے ابتر ہو چکے تھے کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق کے نیچے اتارنا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ دشوار ہو چکا تھا۔ پانی منہ میں ڈالتا تھا' لیکن اسے نگل نہیں سکتا تھا۔ کوفہ کے گورنر ہاؤس میں ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ لوگ آ رہے تھے' جا رہے تھے۔

اطباء اپنی تدبیروں میں مشغول تھے کہ اچانک ایک شور برپا ہوا' معلوم ہوا کہ دمشق سے شاہی فرمان لے کر لوگ آئے ہیں۔ ہیثم نامی برید کا سرگروہ تھا۔ زیاد نے حجاز' نجد' یمامہ عرب کے علاقوں کی گورنری کی جس آرزو کو حکومت میں پیش کیا تھا' اس کی منظوری کا فرمان دربارِ خلافت سے صادر ہوا تھا۔ زیاد دردوکرب کی شدت سے تڑپ رہا تھا کہ سرہانے پہنچ کر یہ مژدہ اس کے کانوں تک پہنچانے والے نے پہنچایا: "گورنر ہاؤس" کے دروازے پر ہیثم کھڑا ہے' اس کے ساتھ وہ فرمانِ شاہی ہے جس میں حجاز پر تمہاری گورنری کی منظوری صادر ہوئی ہے۔"

خدا ہی جانتا ہے کہ زیاد اپنے دل میں حجاز کی حکومت کی تمنا کو کب سے پال رہا تھا۔ وہی حجاز جس میں دوسرے مقامات کے ساتھ طائف کا وہ شہر بھی تھا جہاں سمیّہ باندی کے پیٹ سے وہ رومی غلام عبید کے گھر پیدا ہوا تھا۔ لیکن زندگی کی یہی سب سے بڑی آرزو جب واقعہ بن کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی تو سنا گیا کہ زیاد کہہ رہا تھا:

دور ہو جاؤ' ہیثم! اور اپنے ساتھ ہیثم جو کچھ لایا ہے اب وہ میرے کس کام کا! خدا کی قسم پانی کا ایک گھونٹ جو فرو ہو جائے' میرے لیے' ہیثم اور ہیثم اپنے ساتھ جو کچھ لایا

ہے' اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ (ابنِ عساکر' ص ۴۲۲' ج ۵)

اور اب اپنی بھلائی ہوئی حقیقت کی یاد نکلنے کے بعد اس کے حافظہ میں واپس آئی۔ اس کے سامنے اب نہ ایران تھا نہ خراسان' نہ عراق تھا نہ سندھ' نہ بحرین اور نہ عمان۔ جو کچھ بھی تھا اس کا اندازہ اس وصیت نامہ سے ہوتا ہے' جسے ابنِ عساکر ہی نے حضرت امام شافعیؒ کے حوالے سے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں نقل کیا ہے۔ وصیت نامہ کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ کا حکم جو سامنے آچکا ہے اسی کا انتظار کرتے ہوئے' یہ وصیت نامہ لکھوا رہا ہوں۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت میرے لیے ناقابلِ انکار بن چکی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے' وہی تنہا ہے' اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔ یہ گواہی اس شخص کی ہے جو اپنے مالک کو جانتا اور پہچانتا ہے' اور اپنے حساب و کتاب کا ڈر جس پر مسلّط ہے۔ میں اس کی بھی شہادت ادا کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول' پیغام پہنچانے والے ہیں۔ میں مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ کو بھی' اور عام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہیں۔ اور نہ مرے ان میں کوئی مگر اپنے آپ کو مسلمان بنائے ہوئے۔ چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک بڑی اور چھوٹی باتوں کا خیال رکھے۔

پھر اپنی زندگی اور جن حالات سے وہ گزرا تھا' ان ہی سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اسی وصیت نامہ میں یہ بھی لکھوایا:

اللہ کی نعمتیں جن لوگوں کے لیے پوری کی گئی ہوں' ان کو چاہیے کہ دنیا کو اسی جگہ پر رکھیں جو اس کا واقعی مقام ہے۔ یعنی جن لوگوں کے حقوق انکے ذمہ عائد ہوئے ہوں' ان کو ادا کریں اور بڑے بننے کا خیال دل سے نکال دیا جائے' کہ دنیا میں بڑے بننے کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ کیونکہ دنیا ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے' ایک راستہ ہے جس سے آدمی گزر جاتا ہے۔ بہرحال اس راستہ سے گزرنے کے بعد خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ بس اسی خدا سے میں لوگوں کو چونکاتا اور ڈراتا ہوں' اور میں وصیت کرتا ہوں کہ اس گھر میں داخل ہونے سے پہلے جس سے واپسی ناممکن ہے' اور واپسی کے دروازے جس گھر میں پہنچنے کے بعد بند ہو جاتے ہیں' لوگو! ان نیکیوں کے حاصل کرنے میں جلدی کرو' جن سے محروم ہونے والے محروم ہو ہو کر جا رہے ہیں۔

زیاد پر جزع فزع کی حالت طاری تھی اس کا مشہور بیٹا جسے فاجعہ کربلا کے کرتوتوں نے

رسوائے زمانہ بنا رکھا ہے' وہی ابنِ زیاد باپ کی بالیں پر کھڑا کہہ رہا تھا: "اباجان! آپ گھبرایئے نہیں' میں نے آپ کے کفن کے لیے ساٹھ تھان کپڑوں کے پہلے سے فراہم کر کے رکھ لیے ہیں۔"

مطلب اس بدبخت ابنِ زیاد کا شاید یہ تھا کہ آپ کا جنازہ بڑے دھوم دھام سے نکالوں گا۔ چند گزوں کی جگہ جس مرنے والے کے لیے ساٹھ ساٹھ تھان کا انتظام صرف کفن دینے کے واسطے تیار رکھا گیا ہو۔ اس کے لیے اور کیا کیا نہ کیا جائے گا۔ لیکن باپ ابنِ زیاد نہیں زیاد تھا۔ بڑے بڑوں کی صحبت اس کو میسر آئی تھی' گو اس صحبت سے فائدہ اٹھانے کا موقع جیسا کہ چاہیے اس کو نہ ملا تھا۔ تاہم بیٹے کی طرح باپ اتنا احمق نہ تھا۔ لکھا ہے کہ جھنجھلا کر ابنِ زیاد کو زیاد نے جواب دیا:

میرے بیٹے! تیرے باپ کے سر پر وہ گھڑی آ کر کھڑی ہو گئی ہے' جس کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ جو لباس اس وقت اس کے بدن پر ہے اس سے بہتر لباس سے وہ نوازا جائے گا' یا یہ بھی جو کچھ ہے وہ بھی جلد ہی چھن جائے گا۔ (طبری' ص ۱۲۶' ج ۵)

کسی کو زیاد کے اس حال پر رحم آ گیا' اور جیسا کہ دستور ہے' تسلی دیتے ہوئے اس نے کہا کہ آپ مایوس نہ ہوں' میں آپ کو بشارت دیتا ہوں۔ بیان کیا گیا ہے' اس وقت اس کے کمزور حافظہ میں اپنی گزری ہوئی ناکردنیوں کی یاد ایک ایک کر کے جاگ رہی تھی۔ خدا ہی جانتا ہے ناحق کتنوں پر اس نے زندگی تنگ کی تھی' اس کی گردن پر کتنے ناحق خونوں کا وبال لپٹا ہوا تھا۔ خصوصاً کوفہ کے ایک بزرگ جن کا نام ابوالمغیرہ (۱) تھا' اس نے بلاوجہ صرف اس لیے ان کو قتل کرا دیا تھا کہ عوام پر ان کا اثر ہے (۲)۔ لوگ ان کے تقویٰ' زہد و عبادت کے معترف تھے۔ یہ فعل زیاد سے اس وقت صادر ہوا تھا جب "الامیر" یا "گورنر" ہونے کے سوا اس کے حافظہ میں کسی چیز کی یاد بیدار نہ تھی۔ مگر اس وقت وہی باتیں جو اس کے دماغ میں دفن ہوتی چلی گئی تھیں' آنکھیں مل مل کر سامنے آ آ کر کھڑی ہو رہی تھیں۔ ان ہی میں ابوالمغیرہ کا کٹا ہوا سر بھی تھا۔ اور لہو میں ڈوبا ہوا وہ جسد بھی جو تڑپ تڑپ کر اس کے سامنے ٹھنڈا ہوا تھا۔ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ بشارت کی جھوٹی طفل تسلی کو سن کر زیاد کی زبان پر بے ساختہ یہ فقرہ جاری ہوا:

بشارت کیسے؟ راستہ پر دیکھو! ابوالمغیرہ کھڑے ہوئے ہیں۔ (ابنِ عساکر' ص ۴۲۲)

دیکھا گیا کہ یہی بولتے ہوئے' بولنے والا چپ ہو گیا۔ اور ایسا چپ ہوا کہ پھر کسی نے اس کی کوئی بولی نہ سنی۔ تویہ نامی کوفہ کے قبرستان میں زیاد کی لاش مٹی کے نیچے دبا دی گئی۔ بجلی کی

طرح زیاد کی موت کی خبر ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ان کی دعا قبول ہو گئی اور حجاز کا گورنر ہونے سے پہلے زیاد مر گیا' تو فرمایا

سمیّہ کے بیٹے! لے' نہ دنیا ہی تیرے لیے باقی رہی' اور نہ آخرت ہی کی (راحت کو) تو پا سکا۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فقرے کے یہ الفاظ --- **"لا الد نیا بقیت لک ولا الاٰخرۃ اد رکت"** ' "نہ تیرے پاس دنیا باقی رہی اور نہ ہی تجھے آخرت ملی" --- سیاسی کاروبار میں زندگی گزارنے والوں کے لیے غور کیا جائے تو ایک عبرت آموز تاریخی سبق ہیں۔ خود یہی زیاد کوفہ کے گورنر ہاؤس میں بیٹھا کرتا تھا کہ ایک بلی آئی اور کسی گوشہ میں بیٹھ کر چوہے کا انتظار کرنے لگی۔ دن ختم ہوگیا' آفتاب غروب ہو رہا تھا کہ کہیں سے کوئی بدبخت چوہا نکل پڑا۔ بلی نے اسے دبوچ لیا۔ ایک صاحب جو زیاد کے ساتھ دیر تک اس تماشے کو دیکھ رہے تھے' وہی کہتے تھے کہ' میری طرف مخاطب ہو کر زیاد نے کہا: "اس بلی سے ان لوگوں کو سبق سیکھنا چاہیے کہ جو کسی مہم کو سر کرنا چاہتے ہیں۔"

مطلب یہی تھا کہ غروب ہی کے وقت سہی' لیکن بلی بالآخر کامیاب ہو کر رہی۔ دراصل یہ خود زیاد کی زندگی تھی۔ طبقات ابنِ سعد کی روایت کے مطابق' "جس سال مکہ فتح ہوا' زیاد طائف میں پیدا ہوا' کوفہ میں ۵۳ھ میں اس وقت مر گیا جب کوفہ کا گورنر امیر معاویہ کی طرف سے تھا۔"
(ص ۷۱' ج ۷' حصّہ اوّل)

گویا زیاد کی عمر بہ مشکل ۴۵ سال ثابت ہوتی ہے۔ یا اسی روایت کو مان لیا جائے کہ ہجرت کے سال وہ پیدا ہوا تو زیادہ سے زیادہ ۵۲ سال تک ہی جینے کا موقع ماننا پڑے گا کہ اس کو ملا' مگر کوفہ اور بصرہ کی گورنری کی مدت' اس کی پوری عمر خواہ ۴۵ یا ۵۲ ہو' لے دے کر کل ۵ سال ہے۔ طبری نے زیاد کے غلام فیل کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ "عراق پر زیاد نے کل پانچ سال حکومت کی۔"

اس پانچ سال میں بھی زیاد جیسے سیاسی بازی گر کو' جو صحیح نتائج تک پہنچنے کے لیے اس کی قطعاً پرواہ نہ کرتا تھا کہ جن ذرائع کو اختیار کر رہا ہے وہ صحیح ہیں یا غلط' جوڑ توڑ کے سلسلہ میں جن الجھنوں میں الجھنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ وہی کرسکتے ہیں' جو اس قسم کی غلط سیاسی زندگی کے طوفانوں میں خود کو ڈال کر ان ہی تجربات میں سے گزر رہے ہیں' جن سے زیاد گزرا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ

ان غریبوں کو چین اور سکھ' آسودگی' اور طمانیت کے چند لمحات بھی اپنی ساری جاہی بلندیوں کے باوجود نصیب ہوجائیں' تو غنیمت ہے۔ دوسروں کو ان غریبوں کی زندگی خواہ جس حد تک قابلِ رشک نظر آتی ہو' لیکن خود ان کو اپنے آپ میں واپس ہونے کا موقعہ کبھی جب مل جاتا ہے' اگرچہ یہ موقعہ بھی ان کو بہت کم نصیب ہوتا ہے' تو ہر دوسرے کی زندگی ان ہی کے لیے باعث غبطہ و رشک بن جاتی ہے۔

دنیا یوں ہاتھوں میں آنے کے بعد ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور دنیا کے بعد زندگی کی جو منزلیں ان کے سامنے آتی ہیں' ان میں اپنی ٹیڑھی زندگی کے نتائج و انجام کو ظاہر ہے سیدھی شکلوں میں کیسے پا سکتے ہیں' گویا سیاسی پیشہ وروں ہی کے متعلق طبلہ کی تھاپ میں سننے والوں کو شاید یہ سنایا گیا تھا کہ

درپے دنیا' دیں ہم رفت' آں ہم رفت و ایں ہم رفت
(دنیا کے درپے ہوا' دین ہی ہاتھ سے گیا' وہ بھی گئی' یہ بھی گیا)

---

(۱) ابن عساکر کا بیان ہے کہ کوفہ کا امیر ہونے کے بعد زیاد پہلی دفعہ جب پہنچا' اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کوفہ والوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ابوالمغیرہ سمجھے جاتے ہیں۔ اسی وقت ان کو طلب کر کے اس نے حکم دیا کہ میں کافی مالی معاوضہ آپ کو دوں گا۔ آپ گھر کے باہر نکلنا چھوڑ دیں۔ ابوالمغیرہ نے کہا' سبحان اللہ مسلمان آدمی یہ کیسے کر سکتا ہے۔ کچھ نہیں تو نماز ہی کے لیے گھر سے نکلنے پر مجبور ہے۔ ماسوا اس کے مسلمانوں کی عیادت' ان سے ملنے جلنے کے لیے باہر نکلنا میرا دینی فریضہ ہے' ساری دنیا بھی مجھے مل جائے جب بھی ان دینی امور سے دست بردار ہونے کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔ زیاد نے کہا خیر' ان باتوں سے میں منع نہیں کرتا' لیکن پبلک سے کوئی تعلق نہ رکھو' جواب میں ابوالمغیرہ نے کہا کہ مسلمانوں کو بری بھلی باتوں سے آگاہ نہ کروں' یہ بھی مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ زیاد نے کہا کہ ابومغیرہ تو پھر تمہاری پناہ گاہ اب صرف تلوار ہے' بولے تلوار' اس سے مجھ کو کب انکار ہے' بدبخت نے حکم دیا اور بے چارے ابومغیرہ کی گردن اڑا دی گئی۔ اور یہ تو ایک چیز کی مثال ہے' عرض کر ہی چکا ہوں کہ حجاج کے مقتولوں کی تعداد خواہ زیادہ ہو لیکن مسلمانوں کے قتل کرنے میں زیاد جتنی لاپرواہیوں سے کام لیتا تھا حجاج اتنا غیر محتاط نہ تھا۔

(۲) ابومغیرہ کو دیکھ کر زیاد نے کہا تھا "اگر یہ بدکا تو سارا کوفہ اس کے ساتھ بدک جائے گا۔"